59

مفوضہ دینی کام کو مرتے دَم تک کرو

(فرمودہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۱۹ء)

حضور انور نے تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا کہ:-

مَیں آج آپ لوگوں کو ایک نہایت اہم معاملہ کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ قادیان کے لوگوں کے لیے تو یہ بات نہایت ضروری ہے ہی، لیکن باہر کے لوگوں کے لیے بھی اس کی ضرورت میں شبہ نہیں۔ آسمانی سلسلوں کی ترقی کے ساتھ ان کے کاموں میں ترقی ہوتی ہے۔ اور پھر اسی طرح کام کرنے والوں کی ضرورت پیش آتی ہے دنیاوی سلسلوں اور حکومتوں میں حکومت نیچے سے اُوپر کو جاتی ہے۔ اس لیے اصل حاکم اور مختار رعایا ہوتی ہے۔ اور رعایا کے افراد کا حق ہوتا ہے کہ جس کام میں چاہیں۔ حصہ لیں۔ اور جس میں چاہیں نہ لیں۔ نہ انہیں کوئی مجبور کر سکتا ہے۔ نہ ان کے کام میں حصہ نہ لینے پر کوئی اعتراض ہو سکتا ہے۔ مگر باوجود اس کے بعض وقت ایسے ہوتے ہیں کہ افراد کی آزادی خطرے میں ہوتی ہے۔ اس وقت کے لیے ہمیشہ سے یہ قانون چلا آیا ہے کہ اس وقت افراد کی آزادی کی پروا نہیں کی جاتی، بلکہ اس وقت جبری حکومت کی جاتی ہے۔ جیسے پچھلی جنگ میں جبکہ آزادی خطرے میں تھی۔ اس وقت اگر مقابلہ کرنے والی سلطنتیں انتظام نہ کرتیں۔ تو جرمن فتح یاب ہو جاتا۔ اس لیے وہ آزادی جو سینکڑوں برس سے افراد کو حاصل تھی۔ مٹا دی گئی۔ حکومت کو تمام افراد پر کلی اختیار دیا گیا جتنے لوگ کام کے اہل تھے۔ ان کی زندگیاں غلاموں کی طرح کر دی گئیں۔ جو فوج کے قابل تھا۔ اسے جبراً فوج میں داخل کیا گیا۔ جو مزدوری پیشہ تھا۔ اُسے جبراً مزدوری کے کاموں پر لگایا گیا۔ جو حفاظت کے کاموں کے قابل تھے ان کو مختلف دفاتر میں کلرکوں کی طرح لگا دیا گیا، جو صنعت و حرفت میں کام دے سکتے تھے۔ انہیں جبراً وہاں لگایا گیا۔ جو زراعت پیشہ تھے۔ ان کو جبراً زراعت کے کاموں پر لگایا گیا۔ اس میں نہ بڑے کا سوال تھا نہ چھوٹے کا۔ شہزادے تھے تو ان کی۔ اور اگر عوام تھے تو ان کی آزادی قربان کر دی گئی تھی اور قانون کے ماتحت سب کی آزادی چھین کر گورنمنٹ کو دی گئی تھی۔ تو ایسے مواقع پر ایسا ہی کرنا پڑتا ہے۔

مگر دینی حکومت اس کے خلاف ہے۔ یہ حکومت نیچے سے اُوپر کو نہیں بلکہ اُوپر سے نیچے کو جاتی ہے۔ دینی حکومت میں درخواست نہیں کی جاتی۔ حکم دیا جاتا ہے۔ خُدا کی طرف سے حکم آتا ہے کہ یہ کام کرو۔ وہاں حکم دیا جاتا ہے، کہ اس طرح کرنا ہوگا۔ خدا کا فرمان ہے کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ اس لیے ایسا کرو۔ تمہارا فرض ہے کہ مانو۔ ہم نے تمہیں ہی نہیں تمہارے باپ دادوں کو پیدا کیا۔ پس تم ہمارے اس حکم کو مانو۔ اور ہمارے حکم پر ایمان لاؤ۔ ہم تمہیں رزق دیتے ہیں۔ تمہاری حفاظت کرتے ہیں۔ اور تمہاری دیگر ضروریات کو مہیا کرتے ہیں پھر تمہاری آیندہ نسلوں کو پیدا کرینگے۔ ان کی حفاظت کرینگے۔ تمہاری پیدائش ہمارے قبضہ میں ہے۔ تمہاری زندگی ہمارے قبضہ میں ہے اور تمہارا مرنا بھی ہمارے قبضہ میں ہے اور پھر مرنے کے بعد بھی تم ہمارے قبضہ سے باہر نہ ہوگے۔ اور تمہارا ہمیں سے تعلق رہے گا پس کیا بلحاظ حسن کے اور کیا بلحاظ احسان کے۔ ہم جس طرح تمہیں حکم دیں۔ اسی طرح تمہیں کرنا ہوگا۔ اور ہم جس طرح چاہیں تم سے سلوک کریں۔ سوال کے طور پر نہیں۔ اور عرض کی شکل میں نہیں۔ بلکہ مالکانہ اور خالقانہ رنگ میں اعلان ہوتا ہے کہ اس کی فرمانبرداری اور اطاعت اختیار کرو۔

یہ وہ بادشاہ نہیں جس کو تم منتخب کرتے ہو۔ بلکہ وہ جب سے بادشاہ ہے کہ تم نہ تھے۔ وہ جب سے بادشاہ ہے، جب تمہارے باپ دادا نہ تھے۔ وہ جب سے بادشاہ ہے۔ جبکہ تمہارے باپ دادا ہی نہیں ابوالبشر آدمؑ بھی پیدا نہ ہوا تھا۔ وہ بادشاہ ہے جب سے زمین نہ تھی وہ بادشاہ ہے جبکہ وہ باریک ذرے بھی نہ تھے۔ جن سے زمین پیدا ہوئی ہے۔ پھر اس کی حکومت ہمارا منتخب ہونے کی وجہ سے نہیں۔ اور وہ ہمارا نائب ہو کر ہم پر حکومت نہیں کرتا۔ ہم نے جو کچھ حاصل کیا۔ اسی سے حاصل کیا۔ اس لیے اسکے حکم مقتدرانہ ہوتے ہیں کہ ہم یہ حکم نازل کرتے ہیں۔ اس کی اطاعت کرو۔

پس یہ رنگ اور ہے اور وہ اور۔ دنیاوی حکومتوں میں خواہ کام جبراً لیے جائیں۔ خواہ مرضی سے، لیکن عرفاً اور عقلاً وہ حکومت ہوتی رعایا کی ہے۔ حکومت کو جس قدر اختیارات ملتے ہیں۔ وہ سب کے سب نیچے سے ہی ملتے ہیں۔ خواہ ان کی حقیقی اور دلی مرضی سے خواہ ظاہری سے۔ مگر بہرحال وہ حکومت لوگوں کی رضا کے ماتحت نہیں ہوتی۔ اگر سب کے سب لوگ انکار کردیں۔ تو کوئی بادشاہ ان سے اپنی حکومت نہیں منوا سکتا، کونسی حکومت ہے، جو ایسے لوگوں پر حکومت کر سکے، لیکن خدا کی حکومت کی یہ حالت نہیں۔ اگر سب کے سب لوگ اس کی خدائی ماننے سے انکار کردیں۔ تو وہ اپنی خدائی کو نہیں چھوڑے گا۔ بلکہ وہ کہے گا۔ تم انکار کرتے ہو۔ میں تم سے منواتا ہوں۔ دُنیا نے انکار کیا۔ اس نے کہا کہ منوا کے چھوڑوں گا۔ وہ اپنی حکومت کی شان کو بڑھانے کے لیے لوگوں میں سے ہی ایک شخص

کو بھیج دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اس شخص کے ذریعہ اپنی حکومت منواؤں گا۔ وہ لوگ اس کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ ہم سے ادنیٰ ہے ذلیل ہے۔ نہ اس کے پاس دولت ہے نہ جتھا ہے نہ حکومت ہے خُدا کہتا ہے کہ ہاں میں اسی کے ذریعہ منواؤں گا۔ اور بالآخر دُنیا کو اس کی اطاعت قبول کرنی پڑتی ہے اس لیے کہ وہ قدیم و قدیر اور خالق و مالک شہنشاہ کی طرف سے بادشاہ ہوتا ہے۔ اور اس کا قائم مقام ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے احکام کے آگے بھی نہیں نہیں سُنی جاتی۔

جسمانی اور رُوحانی حکومتوں میں یہ فرق ہوتا ہے۔ رُوحانی احکام کے نیچے "نہیں" نہیں سُنا جاتا، لیکن دنیاوی معاملات میں نہیں کہا جا سکتا ہے۔ دنیاوی معاملات میں ایک حد تک افراد کی آزادی میں حکومت دخل نہیں دے سکتی۔ مگر رُوحانی حصّہ میں کسی شخص کو اختیار نہیں کہ انکار کرے۔ کیونکہ رُوحانی حکومت اوپر سے آتی ہے۔ دُنیا کے بادشاہ حقیقی بادشاہ نہیں، لیکن خدا حقیقی بادشاہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دُنیا میں دیکھتے ہیں کہ کوئی حکومت جب کسی شخص کو کسی کام پر مقرر کرتی ہے۔ وہ کہدیتا ہے کہ میں نہیں مانتا۔ قانون بنا کر لاؤ۔ یہ حکم محض شخصی ہے۔ اور یہ شخصی سوال ہے۔ اس لیے نہیں مانتے۔ پھر کام کرتے کرتے استعفیٰ پیش کر دیتے ہیں یا کہدیتے ہیں۔ جاؤ۔ ہم نہیں کر سکتے۔ استعفیٰ کے معنے طلب عفو کے ہیں کہ مجھے معاف فرمائیے، لیکن دنیاوی حکومتوں میں استعفیٰ کے معنے وہ نہیں ہوتے جو عربی میں ہیں۔ بلکہ پنجابی معنے ہوتے ہیں کہ "جا میاں معاف کر" عربی میں تذلل کا مفہوم اس کے معنوں میں پایا جاتا ہے۔ لیکن پنجابی یا اردو میں اسکے یہ معنے نہیں۔ بلکہ اِس کے معنے ہوتے ہیں کہ "ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ جاؤ سر نہ کھاؤ۔ معاف کرو۔ بس اب زیادہ پریشان نہ کرو۔ ہم کام چھوڑ کر چلے جائیں گے۔" اس کے مقابلہ میں شرعی حکومت میں استعفیٰ کا قانون نہیں۔ حکومت کے ماتحت وہ کام کرتے ہیں۔ جوان کو پسند ہوتے ہیں، لیکن شریعت میں یہ نہیں ہوتا، کہ وہ کام کریں جو لوگوں کو پسند ہو، بلکہ وہ کرنا پڑتا ہے جس کا شریعت حکم دے اور اس شخص کا حق نہیں ہوتا کہ وہ جواب دے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہؓ کو کمانڈر انچیف مقرر کیا۔ یہ نہیں کہ وہ اہلیت زیادہ رکھتے تھے۔ بلکہ وہ ایک حکم تھا جس کی اطاعت اسامہؓ پر فرض تھی۔ اسامہؓ نے بھی انکار نہیں کیا، اور اسامہؓ کے ماتحت عمرؓ اور عمرو بن العاصؓ جیسے شخصوں کو کر دیا۔ جن کے نام سے ایشیا کے لوگ تھرا اُٹھتے تھے اسامہؓ ان سے بڑا نہ تھا۔ نہ اپنی سپاہیانہ قابلیت میں ان لوگوں سے بڑا تھا کہ وہ اس لحاظ سے اس عہدے کا مستحق تھا۔ اس کو تو اپنے نفس میں فکر ہوگی کہ یہ اتنے بڑے بڑے لوگ کیوں میری بات ماننے لگے۔ وہ تو اُسے ایک ابتلاء اور آزمائش خیال کرتا ہوگا۔ مگر وہ اس کو رد نہ کر سکتا تھا۔ نہ اس

نے کیا۔ کیونکہ اس حکم کی بجاآوری اس کی جان کے ساتھ وابستہ تھی۔

ناواقف لوگ سمجھتے ہیں۔ اور منافقوں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت میں سمجھا کہ اسامہؓ رسول کریمؐ کے لے پالک کا بیٹا ہے۔ اس کو ناجائز طور پر افسری دے دی لیکن نادان نہیں جانتے کہ اسامہؓ تو اس کو اپنی شہادت خیال کرتا تھا۔ مثلاً آج ہم تبلیغ کے لیے کوئی وفد بھیجیں اور زید یا بکر کو جو ایک چھوٹے درجہ کا آدمی ہو۔ اور کوئی علمی قابلیت اپنے اندر نہ رکھتا ہو۔ اس کے ماتحت مولوی سید سرور شاہ صاحب۔ حافظ روشن علی صاحب۔ قاضی سید امیر حسین صاحب کو کردیں۔ تو کیا ایسا شخص جس کو ان پر افسر کیا جائے۔ اس افسری پر خوش ہوسکتا ہے اور فخر کرسکتا ہے؟ یقیناً وہ تو اسے آزمائش خیال کریگا۔ اور جانے گا کہ مجھ پر امتحان کا وقت آرہا ہے۔

پس ایسی حالت میں اسامہ نے اپنے تئیں اس کام کے جو اسے سپرد کیا تھا۔ ناقابل ظاہر کرکے علیحدگی نہیں چاہی۔ اور یہ نہیں کہا کہ مَیں استعفیٰ پیش کرتا ہوں۔ اور اگر وہ ایسا کرتا تو اس کے معنے یہ ہوتے کہ مَیں دین سے علیحدہ ہوتا ہوں۔ اسی طرح ہم دوسرے کاموں کو دیکھتے ہیں کہ مثلاً حضرت عمرؓ ابوعبیدہؓ کو کمانڈر مقرر کرتے ہیں۔ اور ان کے ماتحت خالدؓ کو کرتے ہیں۔ جو ایسا شخص تھا، لڑائی میں پیدا ہوا۔ لڑائی میں پلا اور جوان ہوا۔ اور جس کے سر کی چوٹی سے پاؤں کے تلوؤں تک کوئی جگہ ایسی نہ تھی۔ جس پر تلوار اور نیزے کے زخم نہ ہوں۔ ابوعبیدہ وہ شخص ہیں جو واعظ اور امین تو ہیں مگر سپاہیانہ اوصاف کے نہیں۔ ان کے ماتحت خالد کو کیا جاتا ہے۔ ابوعبیدہ یہ نہیں کہتے۔ کہ مَیں اس خدمت کا اہل نہیں مجھے معاف کیا جائے۔ وہ یہ نہیں کہتے کہ مَیں اس خدمت کے لائق نہیں۔ وہ یہ نہیں کہتے کہ مجھے اس بوجھ سے سبکدوش کیا جائے۔ وہ اس خدمت کو بجالاتے رہتے ہیں۔ اس وقت تک کہ ان کی جان نکل جاتی ہے۔

ساری اسلامی تاریخ میں اس خلافت کے عرصہ میں جو رسول کریمؐ نے مقرر کیا ہے۔ کسی کا استعفیٰ نظر نہیں آیا کہ کسی شخص نے یہ کہا ہو کہ مَیں اس کام کو پسند نہیں کرتا۔ یہ کام مجھ سے نہیں ہوسکتا۔ مَیں استعفیٰ پیش کرتا ہوں۔ اس عرصہ میں صرف ایک نظیر استعفیٰ کی ملتی ہے۔ جو وہ بھی اس طرح نہیں کہ اس کام سے نفرت کے باعث استعفیٰ پیش کیا گیا ہو۔ وہ واقعہ حضرت عثمانؓ کے وقت کا ہے کہ ایک قاضی جو بہت بڑی عمر کے ہوگئے تھے اور چلنے پھرنے اور گھر سے نکلنے تک سے معذور ہوگئے تھے انہوں نے حضرت عثمانؓ سے عرض کیا تھا کہ اگر اجازت ہو۔ تو مَیں اپنے کام سے استعفیٰ پیش کرتا ہوں اور وہ واقعہ میں کام کے ناقابل تھے۔ چونکہ وہ معذور رہتے تھے۔ اس لیے ان کی حالت کا حضرت عثمانؓ

کو علم نہ تھا۔

بس یہی ایک مثال ہے۔ جو استعفیٰ کی ملتی ہے۔ ورنہ اسلام کے سارے زمانے میں ایک بھی نظیر نہیں کہ کسی شخص کو کسی کام پر مقرر کیا گیا ہو۔ اور اس نے اس کام سے نفرت یا خلاف طبیعت ہونے کے باعث علیحدگی چاہی ہو۔ اور کہا ہو کہ یہ کام میری طبیعت کے مخالف ہے۔ اور مجھے اس کام سے لگاؤ نہیں۔ یہ کام میری لیاقت سے بالا ہے۔ مجھے اس سے دلچسپی نہیں۔ کیونکہ یہ نفس کے وصوکے ہیں۔

کیا اسامہ متکبر تھا کہ اس کے ماتحت عمرؓ اور عمروؓ بن العاص اور خالدؓ بن ولید ایسے اشخاص کو کر دیا یا عرب کے سب کے سب لوگ اس قسم کے تھے کہ وہ انکسار مجسم تھے۔ یا عرب کے لوگوں کو ہر ایک کام سے جس پر انہیں متعین کیا جاتا تھا۔ فطرتی لگاؤ تھا یا ان سے غلطی نہ ہوتی تھی۔ ان میں سے کوئی بات بھی نہ تھی۔ نہ تو عرب کا ہر ایک باشندہ علم و ہنر کا ماہر کامل ہوتا تھا۔ نہ یہ کہ انتخاب میں غلطی نہ ہوتی تھی اور تو اور بعض اوقات رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے انتخاب میں غلطی ہو جاتی تھی۔ پہلے آپ ایک شخص کو مقرر کرتے مگر پھر اس کو بدل دیتے۔ اور اس کی جگہ ایک اور شخص کو کھڑا دیتے۔ فتح مکہ کے موقع پر ایک شخص[1] کو افسر مقرر فرمایا، لیکن تھوڑی دیر میں اس کو بدل کر دوسرا مقرر کر دیا[2]۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ انتخاب میں غلطی ہو جاتی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے خالدؓ کو افسر بنایا، لیکن حضرت عمرؓ نے ان کو بدل کر ابوعبیدہ بن الجراح کو مقرر فرما دیا۔

ظاہر ہے کہ دونوں میں سے ایک شخص احق تھا، لیکن اس ادل بدل میں کسی نے یہ نہیں کہا کہ مجھے اس کام سے معاف فرمایا جائے۔ کیونکہ جب انہوں نے بیعت کی تھی۔ تو بیعت کرنے والے کو اختیار نہیں ہوتا، کہ وہ یہ سوال اُٹھائے کہ مَیں یہ نہیں کر سکتا۔ یا وہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ بیعت کرنے والے نے اپنی آزادی تو بیچ دی۔ اگر وہ یہ کہے کہ مَیں یہ نہیں کر سکتا تو اس نے خدا کے ہاتھ پر یا اس کے نائب کے ہاتھ پر کیا بیعت کی؟ کیونکہ وہ تو وہ کام کرتا ہے۔ جو اس کا نفس چاہتا ہے جب نفس کے خلاف ہوتا ہے تو کہدیتا ہے کہ میرا استعفیٰ ہے۔

مثنوی والے کہتے ہیں کہ چوہا اُونٹ کی مہار پکڑ کر اُدھر لے جاتا ہے۔ جدھر اونٹ جا رہا ہو۔ لیکن اگر اونٹ ادھر نہ جانا چاہتا ہو آدمی بھی اُدھر مشکل سے لے جا سکتا ہے۔ اسی طرح اگر

---

[1] سعد بن عبادہ ﴿ [2] سیرت ابن ہشام جلد ۲ حالات فتح مکہ

ایک انسان خدا کے نائب کے ہاتھ پر بیعت کرکے اُدھر نہ چلے۔ جدھر چلانا اس کو مقصد ہے۔ اور اپنے نفس کی خواہش کی پیروی کرے۔ تو اس کی باگ خُدا کے ہاتھ میں نہیں۔ بلکہ اس کے نفس کے ہاتھ میں ہے۔ خدا کے ہاتھ میں اس کی باگ تبھی ہو گی۔ جب خدا کے منشاء کو پورا کریگا۔ اور جدھر کو اس کو کھینچا جاتے۔ کھنچتا چلا جاتے۔ جب تک یہ نہیں۔ دعویٰ بیعت باطل ہے۔

افسوس! حریت کے غلط معنے سمجھنے کی وجہ سے جماعت کے بعض لوگوں میں بھی یہ بات پائی جاتی ہے۔ جب ان کو کوئی کام سپرد کیا جاتا ہے تو بعض تو کہتے ہیں۔ ہم اس کام کے قابل نہیں۔ بعض کہتے ہیں۔ ہمیں اس کام سے مناسبت نہیں۔ بعض کہتے ہیں یہ کام ہماری طبیعت کے مخالف ہے حالانکہ ان کا یہ قول و فعل ان کی بیعت کے مخالف۔ ان کے ایمان کے مخالف۔ ان کے اس یقین کے مخالف ہے جسکے وہ مدعی ہیں۔ بیعت کے بعد تو مشکل سے مشکل کام پر ان کو لگایا جائیگا۔ اور ان کا فرض ہو گا کہ وہ اس کام کو بجا لائیں۔

اگر یہ نہ ہو۔ اور ہر شخص مشکل سے جی چرُاتے تو پھر مشکل کاموں کو کون کرے۔ اور پھر وہ حصہ خالی رہ جاتے۔ جنگ میں کوئی پہلی لائن میں نہ جاتے۔ دُنیاوی معاملات میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ افسر جہاں کھڑا کرتا ہے وہاں کھڑے ہونا پڑتا ہے۔ اور افسر کی اطاعت ضروری ہوتی ہے۔ اسلامی طریق میں استعفیٰ کا کوئی طریق نہیں۔ دنیاوی جنگوں کے موقع پر بھی اگر کوئی شخص استعفیٰ پیش کرے۔ تو اس کو سزا دی جاتی ہے۔ حریت کا دعویٰ کرنے والی قومیں جو ذرا ذرا سی بات پر سٹرائیک کر دیتی ہیں۔ جنگ کے موقع پر کوئی استعفیٰ نہیں دیتیں۔ وہ فلسفی حکومتیں جن میں ہر ایک شخص مرضی کا مالک کہا جاتا ہے۔ ان میں جنگ کے موقع پر کوئی سپاہی استعفیٰ نہیں دیتا۔ اس وقت میں حریت کے دلدادے بھی اس خیال کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اور کوئی استعفیٰ وغیرہ نہیں رہتا۔ تو دینی حکومت جس میں پہلے ہی یہ قانون نہ تھا اس میں کیسے اب ہو سکتا ہے۔ جو ایسا کرتا ہے۔ وہ غلطی کرتا ہے۔ گناہ کرتا ہے۔ مومن کا فرض ہے کہ اسے جس کام پر مقرر کیا جاتا ہے۔ اس کو بجا لاتے۔ اس سے یہ نہیں سنا جاسکتا ہے کہ اس کو اس کام سے لگاؤ نہیں۔ اور وہ اس کام کا اہل نہیں۔ اگر فی الواقعہ وہ اہل بھی نہ ہو گا۔ اور محض خدا کے لیے اس کام کو کریگا۔ تو خدا تعالیٰ اس نیک نیتی کے باعث اس کو اس نیک کام کے سرانجام دینے کی توفیق دے گا۔ اور خدا آپ اس کو ہمت دیگا۔ اور اس کی طرف سے نصرت اس کا ہاتھ بٹانے کے لیے آئے گی۔

دیکھو ابو عبیدہ اس کام سے انکار نہیں کرتا جس پر اسے متعین کیا جاتا ہے۔ اور ابو عبیدہ وہ

شخص ہے جسے امین تو کہہ سکتے ہیں، لیکن اُمّت کا سپاہی اور جری نہیں کہہ سکتے۔ جیسے کہ خالد بن ولید کو کہہ سکتے ہیں۔ مگر ابو عبیدہ سے جو کام ہوا۔ وہ خالد سے نہیں ہوا۔ اس لیے نہیں کہ وہ اہل تھے یا اپنے آپ کو اس کام کا اہل جانتے تھے۔ بلکہ اس لیے کہ انہوں نے اس کام کو خدا کے لیے اپنے ذمہ لیا تھا۔ اور خدا کے مقرر کردہ انتظام کے ماتحت لیا تھا۔ اس لیے خدا نے ان کی مدد کی۔ اور ان کے ذریعہ نہایت عظیم الشان فتوحات حاصل ہوئیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو خدا کے لیے اُٹھتا ہے۔ خدا اس کی مدد فرماتا ہے۔

تو ایک موقع پر دنیاوی حکومتوں میں ڈپٹی۔ نائب تحصیلدار۔ تحصیلدار۔ کلرک کو اجازت ہے کہ وہ استعفیٰ دیدیں۔ مگر دین کے انتظام میں عذر کا موقع نہیں ہے۔ جو ایسا کرتا ہے۔ اس کے دل پر زنگ بیٹھ جاتا ہے۔ پھر جب وہ دوسری دفعہ انکار کرتا ہے۔ تو دوسرا سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے۔ پھر جب تیسری دفعہ انکار کرتا ہے تو تیسرا نقطہ لگ جاتا ہے حتّٰی کہ ایک وقت آتا ہے کہ اس شخص کا یہ بار بار کا انکار اس کو ایمان سے محروم کر دیتا ہے۔ پس جتنا وہ انکار کرتا ہے اُتنا ہی اس کا ایمان مرتا چلا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو سمجھنے کی توفیق دے اور وہ اطاعت پیدا کرے۔ جو وہ اپنے بندوں میں چاہتا ہے کہ پیدا ہو۔ آمین :

(الفضل ۱۵ر نومبر ۱۹۱۹ء)